تین معاصر کالم نگار.....اسلوبی تقابل

ثنا ہارون، لیکچرار ماس کمیونیکیشن، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Calaum writting is very important area of Journalism. Writing style is most important aspect in calaum writing. In this article three prominant calaum writers has been discussed with reference to their language skills and literary style.

نذیر ناجی اِس عہد کے کالم نگار ہیں۔ جنہوں نے اپنی تحریروں سے ایک الگ پہچان دی ہے۔ اُن کو تحریروں میں بناوٹ نہیں ہے۔ اُس میں وسیع تنوع اور جدت ہے۔ اُن کے انداز کی جدت نے انہیں پڑھنے والوں میں بے حد مقبول بنا دیا ہے۔ بہت سے کالم نگار اپنی تحریریں اخبارات میں لکھ رہے ہیں مگر چند کالم نگار ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو ہر چھوٹے بڑے اور ہر قسم کے طبقہ فکر میں مقبول ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ آخر وہ کون سی اسلوبی خوبیاں ہیں جو ایک کالم نگار کو خاص بنا دیتی ہیں اور وہ دوسروں سے علیحدہ اپنی ایک پہچان بنا لیتا ہے۔ اُس کے قلم کا جادو لوگوں میں اُسے ایک خاص مقام دلوا دیتا ہے۔ یہاں تک ایک خاص قسم کی اپنائیت اس کی تحریر میں نظر آتی ہے اور قاری اُس کی کہی اور لکھی ہوئی بات کو اپنے دل پر لے لیتا ہے۔ نذیر بھی انہیں کالم نگاروں میں سے ایک ہیں۔

نذیر ناجی مختلف جہتوں سے کام کرتے ہیں۔ اُن کا بیانیہ Dicourse کبھی کسی واقعہ پر تبصرہ کرتا ہے یا کسی بیان کی وضاحت کرتا ہے تو اُس میں بھی تخلیقی فن کاری موجود ہوتی ہے۔ اُن کا تبصرہ بھی نہایت کامیابی سے گہرائی اور گیرائی کا حامل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں'' کامیاب تبصرہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ تبصرہ نگار کا مطالعہ وسیع ہو۔''[۱]

اس لحاظ سے واقعہ نگاری اور معاشرتی معاملات پر ناجی کا تبصرہ مکمل اور جامع ہوتا ہے اور مکمل غیر جانب داری سے کسی بھی موضوع پر لب کشائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نذیر ناجی اپنے بیانیہ میں استدلالی اور منطقی انداز کو پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ فرماتے ہیں:

''انسانی تصورات کی دُنیا کے دو بڑے براعظم ہیں۔ ایک اس کے دل کے اندر ہے اور دوسرا

اس کی آنکھوں کے سامنے جس کا تعلق اندر کی دُنیا ہے۔ وہ کبھی کبھی عموماً باہر کی دُنیا کی باتوں کو بھی دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے اور بڑے یقین اور وضاحت کے ساتھ پہنچانا چاہتا ہے کہ سننے والے تک وہ باتیں ٹھیک ٹھیک اور ہو بہو پوری جزئیات سمیت پہنچ جائیں اس کے لیے وہ اپنے مطالب کو مرتب اس طرح کرتا ہے.....اس قسم کی سچائی اور خارجی ٹھوس واقفیت کے لیے جس میں کامل یقین اور وضاحت مطلوب ہو۔ نثر ہی حقیقی قالب ہے۔'' ۲

اسی نثر سے کوئی بھی لکھاری اپنی دلی کیفیات دوسروں تک پہنچاتا ہے اور اِسی طرح خارجی ٹھوس حقیقتوں کو جو وہ معاشرے میں دیکھتا ہے۔ اپنے جذبے کی شدت سے دوسروں تک رسائی حاصل کرتا ہے اس سلسلے نثر نگار معاشرے کی تعمیر کا کام اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔ نذیر ناجی کی جدت طبع انہیں جدید مصنفین کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ وہ اپنے بیانئے میں فن اور اسلوب کے درمیان احسن طریقے سے انصاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے ایک کالم ''پاکستان میں سب سے بے قصور ہیں'' میں فرماتے ہیں:

''ہم نے برصغیر کا جغرافیہ بدل کر جو پاکستان حاصل کیا اس کا ایک حصہ مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں اسی میں ہماری طاقت تھی اور اسی میں کمزوری۔ ہماری سیاسی قیادت میں اہلیت ہوتی تو ہم اس جغرافیائی پوزیشن سے طاقت حاصل کر سکتے تھے ہم ایسا نہیں کر سکے اور ہماری ہی جغرافیائی پوزیشن، ہماری کمزوری بن گئی۔'' ۳

لکھت اپنے لکھنے والے کی شناخت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لکھاری اپنی خاص تکنیک سے انسانی معاشرہ سے متعلق زندگی کے جدلیاتی نظام کو اختیار کرتا ہے اور اِس نظام میں اپنی ذہنی اُپج کے مطابق معاشرتی قدروں کے لیے نئے لحن اور نئے راستے نئے جہانوں کی سیر کرواتا ہے۔ وہ چند فقروں میں پوری کہانی بیان کر دیتے ہیں۔ اُن کی تحریر میں بیک وقت افسانہ، ناول، جیسی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ اپنے کالم ''کیسے کیسے لوگ'' میں لکھتے ہیں:

''میں تو حضرت اکبرالہ آبادی کا پیروکار ہوں انہوں نے لکھا۔

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

جب بھی مجھے کوئی مذہبی بحث کی طرف دھکیلتا ہے تو فوراً یہ شعر پڑھ کے اپنا دامن بچا لیتا ہوں.....'' ۴

کشور ناہید عہد حاضر کے ترقی پسند کالم نگاروں کی صف میں آتی ہیں۔ وہ ادب کو زندگی کا عکاس سمجھتی ہیں۔ اُن کے نزدیک ہر فرد زندگی اور ادب کے بارے ایک خاص نظریہ کے حامل نکتہ نظر رکھتا ہے۔ اُن کے نزدیک انسانی معاشرے کی بقا درست اقتصادی اور معاشی نظام سے ہی ممکن ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد

مختلف مصنفین نے اپنے انداز سے زندگی کو دیکھا۔ برتا اور اپنے خاص انداز تحریر سے زندگی کی مختلف سیاسی معاشرتی تحریکوں سے وابستہ رہے۔کشور ناہید نے اپنے خاص انداز سے اپنے خاص ویژن سے لکھنے کے فن کو آزمایا۔مثلاً اُن کا نکتہ نظر ڈاکٹر عبادت بریلوی کے اِن خیالات کی ترجمانی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

> ''ادب،فن اور اس کی تخلیق ایک صحت مندانہ ماحول کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ زندگی کی مثبت قدروں کا علمبردار ہوتی ہے۔ اس کا پودا صرف آزادی اور محبت کی فضا میں پنپتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔منافقت کا ماحول اس کے لیے زہر ہے۔'' ۵

کشور ناہید کالم نویسی میں ایک علیحدہ اسلوب کی حامل ادیبہ ہیں۔اُن کے نزدیک زندگی میں مسلسل حرکت ضروری ہے۔ان کا اظہار مخصوص نہیں۔ وسیع معنی ہے۔عورت ہونے ناطے اُن کی تحریر میں علیحدہ تشخص موجود ہے۔مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ علیحدہ تشخص انہیں محدود کر دیتا ہے وہ انہیں اپنی تحریروں میں لامحدود وسعت کا حامل متنوع موضوعات سے روشناس کرا دیتا ہے۔کشور ناہید کا اسلوب متنوع موضوعات مثلاً تاریخ، تنقید،سوانح، معاشرت، سیاست پر بحث کرتا ہے۔ زندگی کی گہما گہمی میں ہر پہلو سے واقفیت کے ساتھ ساتھ زبان سے آگہی بے حد ضروری ہے۔جس کے لیے کشور ہر موضوع کے لیے بے لاگ تبصرہ کرتی نظر آتی ہیں۔ وہ لبرازم کی قائل ہیں۔جس قسم کا مضمون ہو گا اُسی قسم کا اظہار اس کے لیے ضروری ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں کشور کا ذخیرہ الفاظ اور اُن کی علمی صلاحیت اُن کے بیانیہ میں نظر آتی ہے۔مثلاً اپنے ایک کالم میں لکھتی ہیں:

باچا خان! تم اتنے کڑیل جوان تھے
کہ انگریزوں کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں
تمہیں پوری نہیں آتی تھیں۔
تمہاری انگلیوں سے خون بہنے لگتا تھا۔
مگر تم نے کبھی رحم کی اپیل نہیں کی۔

.....

ہم نے تمہارے نام نوجوانوں کو تعلیم دینے کیلئے
یونیورسٹی قائم کی۔

.....

تمہاری زمین کے بیٹوں نے
تمہارے نام پہ بنی یونیورسٹی پہ
حملہ آور دہشت گردوں کو بھون کر رکھ دیا تھا۔
پھر بھی میرے پچیس گھروں کے چولہے

ٹھنڈے کر گئے

باچا خان

میرے چوکیداروں کے اندر بھی تمہاری روح تھی

انہوں نے تمہارے نام کی عزت رکھی۔

والدین بچوں کو سکول بھیجنے سے خوفزدہ ہیں۔ نالائقی کی حد یہ ہے کہ بچوں کو گولی چلانے کی

تربیت دینے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ کتاب اور قلم پکڑنے والے ہاتھوں کو پستولیں دینے کی

باتیں کرنا اچھی بات نہیں ہم تو بچوں کے ہاتھوں میں بھی ایسے کھلونے دینے سے منع کرتے

ہیں۔ باچا خان اپنی خاں برادری کو جگائیں۔ وہ سارے دہشت گردوں کو نابود کر دیں۔''[۶]

محولہ بالا اقتباس نثری نظم میں پوری زندگی کی کہانی بیان کر دی گئی ہے اور کالم میں پیغام تہہ در تہہ معنی سے مملو ہے۔ فنی پختگی کے ساتھ بیانیہ میں جذبے کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اقتباس میں موجودہ بیان معاملے کی شکینی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اُن کی طرز تحریر میں باقاعدہ ڈرامائی عنصر موجود ہے۔ مکالماتی جملے اُن کے طرز اسلوب کی پہچان ہے۔ اُن سے اُن کے اسلوب میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ کشور ناہید اپنی فکر ماوائیت کے ساتھ نئے تجربات کرتی نظر آتی ہیں۔ اُن کے ہاں نئی حسیت موجود ہے۔ وہ زمانے کی روش کو نئے انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ اپنے کالم ''پھولوں کے تکیے میں چڑیا سوتی ہے'' لکھتی ہیں:

''پھر وہ ریڈیو پر پروڈیوسر ہوگئی۔ اسی زمانے میں شائستہ حبیب اور فہیم جوڑی بھی پروڈیوسر ہو

گئے .....نسرین نے پہلے پنجابی میں شاعری کی۔ سب سے مختلف لہجہ کینوس ایسا کہ اس کی

شاعری سن کر سوچتے ہی رہ جاؤ۔ پھر اس نے اُردو میں بھی نظمیں لکھیں۔ یوں لکھا:

ایک بچے کو میں نے درخت بننے کیلئے چھوڑ دیا۔

ایک جھوٹ کو میں نے مکمل ہونے سے بچالیا۔

ضرورتوں کے عوض بھی ضرورتیں ہی خرید رہے ہو۔''[۷]

امجد اسلام امجد عہد حاضر کی ادبی شخصیت ہیں۔ جن کا فن اپنا ارتقائی سفر مختلف جہتوں میں طے کر رہا ہے۔ آج وہ بطور ڈرامہ نگار، شاعر، استاد جانے جاتے ہیں۔ کوئی بھی لکھاری زماں مکاں اور تہذیبی انداز سے سے علیحدہ ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اس مضمون میں ہم امجد اسلام امجد کی نثر نگاری پر بالعموم اور کالم نگاری پر بالخصوص مطالعہ کریں گے اور اُن کا اسلوبی جائزہ لے کر صحافت اور کالم نگاری کے جدلیاتی رشتہ پر غور کریں گے۔

امجد اسلام امجد کے طرز تحریر میں متنوع عناصر موجود ہیں۔ اُن کی تحریروں میں ڈرامائی عنصر زیادہ ہے۔ اُن کے کردار زندگی سے لیے جاتے ہیں۔ متحرک کردار ہمارے اردگرد نظر آتے ہیں اور اُن میں

Stylictic and Linguistic Norms اسلوبی معمولات یا اُس اسلوبی اجزاء نظر آتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ مثبت اور حرکی ہے۔ وہ اپنے کالموں میں عام زندگی، سیاست، معاشرت، ثقافت و کلچر، زبان و ادب کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور اپنی نثر میں چھوٹے سے چھوٹے عمل کو شامل کرتے ہیں۔ اِن معمولات سے وہ اپنی تحریر میں لسانیاتی عمل کو ساتھ رکھتے ہیں۔ کوئی بھی ادیب جب کوئی تحریر لکھتا ہے تو مختلف الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔ بات سے بات نکالتا ہے۔ نامعلوم سے معلوم کی طرف چلتے ہوئے چھوٹی چھوٹی جزویات کو استعمال کرتے ہوئے الفاظ کا برمحل استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اُسے معلوم ہوتا ہے کہ میری تحریر کے بنیادی اجزاء کون سے ہیں۔ وہ بنیاد جو اُس کو لکھنے کے لیے اینٹ روڑے کا کام سرانجام دے رہی ہے یعنی الفاظ اور پھر وہ ثانوی اجزاء جس میں لکھاری نے وہ پیغام دینا ہے۔ وہ فکر وہ خیال دینا ہے جو اُس کو مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے اس سوچ اور اُس فکر کو الفاظ محارہ سے بڑھ پیش کرنے کے انداز شاہد کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات..... کو اپنے انداز سے پیش کنا ہے۔ اِس میں یہ وہ پیغام ہوگا جس میں کوئی بھی مصنف اپنی بات کو مختلف انداز سے وہ فلسفہ وہ فکر پہنچاتا ہے۔ جو دراصل اس کے دماغ میں موجود ہوتی ہے اور اُس کو وہ مختلف امثال سے مختلف جزوئیات سے آگے Convay کرتا ہے۔ اپنے ایک کالم پاکستان کل اور آج میں امجد اسلام امجد نے پاکستانی معاشرے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں اُنہوں نے بنیادی اور ثانوی معمولات کی پیش کاری میں اظہارِ رائے کیا ہے۔ پاکستان نے ۲۰۱۲ء میں اولمپکس میں ایک میڈل جیتا۔ جبکہ اس سے قبل وطنِ عزیز اٹھارہ سال قبل دُنیا کے عظیم چار کھیل کرکٹ، ہاکی، سکواش اور سنوکر میں ورلڈ چمپین ہوا کرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں:

> ''یہ بات میں نے پدرم سلطان بود کے حوالے سے نہیں کی بلکہ یہ واضح کرنے کے لیے بیان کی ہے کہ مسلم مٹی کی زرخیز کا نہیں بلکہ اس طریق کار کا ہے جو ہمارے نام نہاد رہنماؤں اور پالیسی ساز اداروں کا ہے کہ جن کی نااہلی، موقع پرستی اور لوٹ مار کی وجہ سے ہماری نرسیاں ختم اور متعلقہ ادارے ایسی دلدل کی شکل اختیار کر گئے کہ ہم مسلسل نیچے ہی نیچے گرتے چلے گئے۔''[۸]

اب اس پیراگراف میں بنیادی معمولات میں وہ مقصد تھا۔ جو واقعاتی طور پر بیان کیا گیا کہ کس طرح ہمارے ادارے آہستہ آہستہ اپنے مقاصد کو کھوتے جا رہے ہیں اور اِس میں ثانوی درجہ اس سوچ کا ہے۔ جس میں انہوں نے تین بنیادی باتوں پر زور دیا ہے کہ پاکستان کی کل کی صورتِ حال کیا تھی۔ آج کیا ہوگئی ہے اور اِسی پیش نظر سے اُبھرنے والی آنے والی کل سے کیسے ہم نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ ثانوی معمولات کے سلسلہ میں انہوں نے تین باتوں پر زور دیا۔ واقعہ اور کہانی موجود ہے۔ کالم نگار مسلسل اسلوبی اجزاء سے اپنی تحریر میں تنوع پیدا کرتا جاتا ہے بلکہ بعض مقام پر وہ اِس میں ایک قدم اور آگے چل کر نئے طریقے کو نفسیاتی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں امجد اسلام امجد اپنے کالموں میں کردار سے واقعہ سے کیفیت سے اور خاص سیاق و سباق سے اپنی تحریر کو پیش کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نظم انہوں نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے پس منظر

میں لکھی۔جس میں انہوں نے کرداری معمولات، واقعہ،کیفیتی معمولات اور خاص سیاق وسباق کے حوالے سے تحریر کی۔اُن کی اس پیش کش میں فنی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔اسلوب بھی موجود ہے اورفن کاری بھی۔ الفاظ کا چناؤ موقع کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔خیال اور فلسفہ کہانی کے ساتھ موجود ہے۔

چھیاسٹھ سال پہلے بھی ایک دن ایسا آیا تھا
جب کہ سورج نکلنے پر
چمکتی دھوپ پھیلی تھی تو منظر نامہ جگمگایا تھا
اگرچہ میں نے وہ منظر بچشم خود نہیں دیکھا
مگر جب کرتا ہوں تو سانسیں گنگناتی ہیں
کئی صدیوں سے صحرا میں بکھرتی ریت کی صورت
کروڑوں لوگ تھے جن کا
نہ کوئی نام لیتا تھا
ہر اک رستے میں وحشت تھی
سبھی آنکھوں میں حسرت تھی
نہ آبا سی ہندمندی نہ اگلی شان تھی باقی
کھلا سر پر جو اس اعلان کا خون بھرا سایہ
ہلالی سبز پرچم کا وہ ٹھنڈا دلربا سایہ
تو ان کی جان میں جان آئی
لہو میں پھر سے کوئی گمشدہ روشنی پھیلی
دہن میں پھر زباں آئی
چھیاسٹھ سال پہلے وہ اک احسان مت بھولو
خدا کی خاص رحمت ہے یہ پاکستان مت بھولو

اس نظم میں پوری کہانی سیاق وسباق کے ساتھ موجود ہے۔اس نثری نظم میں الفاظ اور معنی کا گہرا رشتہ موجود ہے اور پیغام میں ذہنی نمایاں پن موجود ہے۔اِسی کالم میں پہلے انہوں نے امثال دیں۔پھر اُسے تصوراتی،فکری آہنگ سے مزید موثر بنایا۔نوم چومسکی Noam Chomsky کی رائے میں:

"..... Stylistic competence like linguistic competence, is a capacity which we posses and exercise unconsciouspy and intuitively: only wit special training can it be turned into

explicit knowledge."

''اسلوبی مہارت اور لسانیاتی مہارت فکشن مہارت ہماری ایک صلاحیت ہے جس کا استعمال ہم شعوری اور وجدانی انداز میں کرتے ہیں۔ واضح ترین تربیت کے نتیجے میں اس اصلاحیت کو علم میں منقلب کہا جا سکتا ہے۔''[۱۰]

حواشی:

۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص: ۱۸۳

۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد اشاراتِ تنقید، (لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۲ء)، ص: ۲۷۱

۳۔ نذیر ناجی، سویرے سویرے پاکستان میں سب نے قصور ہیں، ۱۳ جنوری ۲۰۱۶ء

۴۔ نذیر ناجی، سویرے سویرے کیسے کیسے لوگ، ۳۰ دسمبر ۲۰۱۵ء

۵۔ نیا پیغام، پندرہ روزہ، اگست ۱۹۴۷ء، ص: ۵۹

۶۔ روزنامہ جنگ، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۱۶

۷۔ روزنامہ جنگ، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۱۵

۸۔ روزنامہ پاکستان، ۲ جنوری ۲۰۱۰ء

۹۔ ایضاً

۱۰۔ G. N Lecch, "Stylic in Fiction", (Longman, London, 1948), p. 53

مآخذ:

۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد اشاراتِ تنقید، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۲ء۔

۳۔ G. N Lecch, "Stylic in Fiction", Longman, London, 1948.

☆☆☆